انتخاب

کتاب الحجہ علی اہل المدینۃ

للامام محمد بن حسن شیبانی

از قاضی اطہر مبارکپوری

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں امام محمد بن حسن شیبانی ؒ متوفی ۱۸۹ھ کی شخصیت بڑی جامع ہے۔ انھوں نے تبحر علمی، حدیث و فقہ میں جامعیت اور ذہانت و حکمت سے کام لے کر اسلام کے تشریعی قوانین کے اصول و فروع کی تدوین و ترتیب میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت اور تعارف میں ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ ان کی کئی سو تصانیف میں موطاء امام محمد، کتاب الآثار، کتاب الجامع الکبیر اور کتاب الحجہ اس پر شاہد عدل ہیں اور آخری کتاب حدیث و فقہ کی جامعیت میں ان کا شاہکار ہے۔

امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ سے تعلیم حاصل کر کے مدینہ منورہ گئے۔ امام مالک اور دوسرے علمائے مدینہ سے ان کے مکتب فکر کے مطابق حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی اور تین سال تک وہاں رہے۔ اس درمیان میں امام مالک سے ان کے موطا کا سماع کیا۔ نیز دوسرے اہل مدینہ سے فقہی مسائل میں بحث و مباحثہ کیا اور دونوں کے دلائل و شواہد کو احادیث و آثار اور اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں جمع کیا۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے فقہی مکتب میں ضعیف اور مرسل حدیث کی موجودگی میں قیاس نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کسی ایک صحابی کا قول بھی قیاس کے مقابلہ میں اولیٰ ہے۔ بشرطیکہ دوسرے صحابہ میں اس بارے میں اختلاف نہ ہو۔ اور امام مالک اور ان کے فقہی مکتب میں حدیث مرسل، حدیث منقطع، بلاغات (بلغنی، بلغنا) اور قول صحابی قیاس پر مقدم ہے۔

اسی اصول کو سامنے رکھ کر امام محمدؒ نے یہ کتاب لکھی۔ اور دونوں مکاتب فقہ کے شواہد و دلائل درج کر کے حنفی فقہ کو راجح قرار دیا اور اہل مدینہ کو ان کے اصول کی روشنی میں جوابات دیئے ہیں۔ بلکہ بہت سے

مقامات پر اہل مدینہ کی تائید کی ہے اور ان کے مسلک کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ اسی کتاب کا نام "کتاب الحجہ علی اہل المدینہ" ہے۔ امام محمد جب عراق واپس آئے تو ان کے تلامذہ نے اس کی روایت کی، جن میں قاضی بصرہ عیسیٰ بن ابان متوفی ۲۲۱ھ کی روایت زیادہ مشہور و متداول رہی۔ علمائے کوفہ اور اہل عراق نے اس کتاب کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ مگر متاخرین احناف نے اپنے ائمہ متقدمین کی دیگر بہت سی امہات کتب کی طرح اس اہم کتاب سے بھی بے اعتنائی کی۔ اس کے خال خال نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ تھے۔ اور اب سینکڑوں سال کے بعد لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد کی بدولت یہ کتاب ہمارے سامنے آئی۔ ۱۹۶۵ء میں اس کی پہلی جلد شائع ہوئی تھی اور ہمارا مفصل تعارف رسالہ معارف میں آیا تھا۔ اب حال ہی میں اس کی دوسری جلد چھپ کر ہمارے پاس آگئی ہے محقق و محشی جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند ہیں۔ حضرت مولانا ابو الوفا صاحب افغانی صدر لجنۃ نے بھی بعض بعض مقامات میں بیش بہا معلومات درج کی ہیں اور ضروری حواشی لکھے ہیں۔ اس جلد میں کتاب المناسک اور کتاب البیوع کے مسائل و مباحث درج ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب الحجہ سے کئی گنا زیادہ اس کے حواشی و تعلیقات ہیں اور اصل کتاب کی سطروں پر حواشی کے صفحات ہیں جس کی وجہ سے یہ اس کی مستقل شرح ہو گئی ہے مگر یہ اس علمیت اور جذبۂ خدمت کا نتیجہ ہے، جو اب ہمارے چند گنے چنے اساتذہ و شیوخ میں باقی رہ گیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس کتاب کی تعلیق و تحقیق کے نام پر حنفی نقطۂ نظر سے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ حنفیت کے علمی و فکری ترجمان اس وقت علامہ زاہد الکوثری (ترکی۔ مصری) شیخ ابو غدہ عبد الفتاح الشامی، مولانا ابو الوفا الافغانی، مولانا حبیب اعظمی، مولانا مہدی حسن شاہجہانپوری، مولانا محمد یوسف بنوری اور ان جیسے اولوا الایدی والابصار علماء ہیں۔ علامہ کوثری کئی سال ہوئے انتقال فرما گئے۔ اور باقی حضرات کسی نہ کسی نوع سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا ابو الوفا صاحب افغانی نے امام محمدؒ کی کتاب الآثار کو تعلیق و تصحیح اور تحشیہ کر کے مرتب کیا ہے جو مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ نیز امام محمدؒ کی کتاب (الاصل) کو مرتب و محشی کیا ہے جو لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد سے شائع ہو رہی ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری جامع ترمذی کی شرح معارف السنن کے ذریعہ کام کر رہے ہیں۔ شیخ ابو غدہ عبد الفتاح علمائے احناف مثلاً مولانا عبد الحئی لکھنوی وغیرہ کی تصانیف نئے انداز میں مرتب کر کے چھاپ رہے ہیں اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے مسند حمیدی، کتاب الزہد

والرقائق امام ابن جارک اور سنن سعید بن منصور کو مرتب کیا ہے۔ نیز مصنف عبدالرزاق صغانی جیسے گراں قدر اور نایاب ذخیرہ احادیث کو مرتب کر لیا ہے۔ مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نے کتاب الحجہ کے تعلیق و تحشیہ میں حنفیت کی بہترین ترجمانی کی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر لب و لہجہ تیز ہو گیا ہے خصوصاً امام ابن حزم کے بارے میں ان ہی کی زبان عموماً استعمال کی گئی ہے جو انھوں نے المحلی میں آئمہ اسلام کی شان میں استعمال کی ہے۔ یہ درست ہے کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں یکساں برّش رکھتے ہیں۔ مگر یہ کیا ضروری ہے کہ ان کا لب و لہجہ اختیار کیا جائے۔

یہ کتاب جہاں حدیث و فقہ کی جامعیت میں وقت نظر اور بصیرت پیدا کرتی ہے، وہیں اس سے دوسری صدی ہجری کے علمی و فقہی مدونات میں سے ایک عظیم اور مستند کتاب ظہور میں آگئی ہے۔ ضرورت ہے کہ ارباب علم و نظر اس سے مستفید ہوں۔ کتاب بہترین عربی ٹائپ میں عمدہ کاغذ کے ۸۱۶ صفحات پر چھپی ہے۔ قیمت ۳۵ روپے ہے۔ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ ۴۶۵ جلال کوچہ حیدر آباد ۲ سے طلب کی جا سکتی ہے۔

"صدق جدید" لکھنؤ۔ ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء

افکار اقبالؒ سے بے اعتنائی

چھٹے خطبے "الاجتہاد فی الاسلام" میں علامہ اقبال نے بڑے فکر انگیز نکتے اٹھائے ہیں اور بڑی اخلاقی جراءت سے کام لیا ہے۔ اس خطبہ کا اصل عنوان یہ ہے "اسلام کی ترکیب میں حرکت کا اصول" وہ کہتے ہیں کہ دنیائے قدیم کے نظریے کے برعکس اسلام کائنات کو متحرک قرار دیتا ہے۔ مدنیت کی سطح پر اسلام نے اپنی توجہ صرف ذاتی قدر و قیمت پر رکھی۔ رنگ و خون کا رشتہ زمین پیوستگی کا رشتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتحاد انسانی کے لئے کسی خالص نفسیاتی اساس کی جستجو جب ہی کامیاب ہو سکتی ہے جب اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ نوع انسانی ایک ہے اور اس کی زندگی کا مبداء اصلاً روحانی ہے۔ حرکت کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی اس آیت پر ایمان مستحکم ہوتا ہے کہ تغیر و تبدیلی کے جلو میں ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ ذات الٰہیہ زندگی کی رُوحانی اساس ہے جو قائم و دائم ہے اور یہ ہر تغیر اور ہر تبدیلی میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس طرح علامہ یہ نتیجہ نکالتے

ہیں کہ ثبات اور تغیر دونوں خصوصیتوں کو ملحوظ رکھنے ہی سے ایک خوشگوار حیات اجتماعی قائم ہو سکتی ہے۔

اس تمہید کے بعد علامہ نے بتایا ہے کہ اجتہاد کیا ہے اور پھر یہ کہا ہے کہ نظری طور پر سنّی اسلام نے اجتہاد کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا، گو جب سے مذاہب اربعہ قائم ہو چکے ہیں عملاً اس کی کبھی اجازت بھی نہیں دی۔ انھوں نے اس پر بڑے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ جو نظام قانون قرآن مجید جیسی کتاب کو اپنی اساس قرار دیتا ہے جو زندگی کو متحرک اور متغیر مانتا ہے، وہ کس طرح جمود و تعطل کا شکار ہو گیا۔ انھوں نے مغرب کے اہل قلم کی سطحی قیاس آرائیوں کی نفی کرتے ہوئے خود اس کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں بڑے پتہ کی باتیں کہی ہیں۔ تفصیل کی تو گنجائش نہیں، البتہ اس خطبے کے چند بلیغ ٹکڑے نقل کئے جاتے ہیں۔

بغداد کی تباہی (۱۲۵۸ء) کے بعد قدامت پسند مسلم مفکر جو چاہتے تھے جیسے بھی ممکن ہو اسلام کی ہیئت اجتماعیہ محفوظ رہے اور یہ وہ بات ہے جس میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی تھے، یہ اس لئے کہ قوائے انحطاط کا سدّباب نظم و ربط ہی سے ہوتا ہے، لیکن وہ نہیں سمجھے اور ہمارے زمانے کے علماء نہیں سمجھتے تو یہ کہ قوموں کی ہستی کا دار و مدار اس امر پر نہیں کہ ان کا وجود کہاں تک منظم ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ افراد کی ذاتی خوبیاں کیا ہیں، قدرت اور صلاحیت کیا! یوں بھی جب معاشرہ حد سے زیادہ منظم ہو جائے تو اس میں فرد کی ہستی سرے سے فنا ہو جاتی ہے ——— یوں بھی ماضی کا غلط احترام، علیٰ ہذا ضرورت سے زیادہ تنظیم کا وہ رجحان جس کا اظہار تیرھویں صدی اور بعد کے فقہاء کی کوششوں سے ہوتا ہے، اسلام کی اندرونی روح کے منافی تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ کی ذات میں . . . . اس روش کے خلاف ایک زبردست ردّ عمل رونما ہوا۔

بدقسمتی سے اس ملک (غیر منقسم ہندوستان) کے قدامت پسند مسلم عوام کو ابھی یہ گوارا نہیں کہ فقہ اسلامی کی بحث میں کوئی تنقیدی نقطۂ نظر اختیار کیا جائے، وہ بات بات پر خفا ہو جاتے اور ذرا سی تحریک پر بھی فرقہ وارانہ نزاعات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

——— لیکن پھر اس سلسلے میں غور طلب امر قرآن مجید کا وہ مطمح نظر ہے جو اس نے زندگی کے بارے میں قائم کیا اور جس میں اس کی نگاہیں جمود کے بجائے حرکت پر رہیں، لہٰذا ظاہر ہے کہ جس کتاب کا مطمح نظر ایسا ہوگا اس کی روش ارتقاء کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ ہمیں نہیں بھولنا چاہئے تو یہ کہ زندگی محض تغیر ہی نہیں اس میں حفظ و ثبات کا ایک عنصر بھی موجود ہے . . . .

مگر پھر اس بات کو ہم دوسرے لفظوں میں یوں ادا کریں گے کہ زندگی چونکہ ماضی کا بوجھ اٹھائے آگے بڑھتی ہے، اس لئے ہمیں چاہئے جماعت میں تغیّر و تبدل کا جو نقشہ ہم نے قائم کیا ہے، اس میں قدامت پسندانہ قوتوں کی قدر و قیمت اور وظائف فراموش نہ کریں، تعلیمات قرآنی کی یہی وہ جامعیت ہے جس کا لحاظ رکھتے ہوئے جدید عقلیت کو اپنے ادارات کا جائزہ لینا ہوگا۔

علامہ اقبال کی فکری کاوشوں کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم ان کے اشعار پر تو سر دھنتے ہیں لیکن ان کے افکار کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، اس سے بڑی مظلومیت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہمارے انگریزی داں اور علماء دونوں اس میں شریک ہیں۔ طبقہ علماء یہ کہہ سکتا ہے کہ خطبات انگریزی میں تھے اس لئے ہماری رسائی ان تک نہیں ہوئی، حالانکہ یہ عذر لنگ ہوگا، پھر بھی اُردو ترجمہ کو شائع ہوئے کوئی ۹ سال کا عرصہ ہوا، کیا یہ ترجمہ ہندوستان کے علماء میں متداول ہوا۔ اگر ہوا تو انھوں نے اس کا کیا اثر لیا؟ علامہ کے اشعار ہر طبقہ میں مقبول ہوئے، بہت گائے گئے، بہت گنگنائے گئے اور ہر گروہ نے اپنے مطلب کی باتیں ان سے نکال لیں، لیکن فکر و فلسفہ، زندگی، کائنات اور منشائے تخلیق سے متعلق وہ آفاقی نظریہ جو اُن کے سینکڑوں اشعار اور ان کے خطبات کی روح ہے، کتنے لوگوں نے اپنایا؟ ایسے تمام لوگوں سے علامہ کی شکایت اپنے پیر رومی کی زبان میں یہی ہے:

ہر کسے، از ظنِّ خود، شُد یارِ من
در درونم، کس نجُست اسرارِ من

ماہنامہ "جامعہ" دہلی بابت جنوری ۱۹۶۸ء

طابع: ظہیر الدین — مطبع: استقلال پریس لاہور
ناشر: ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔